فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

الحمد للہ کہ دریں ایّام نیک انجام جوابات کافیہ وشافیہ از رشحات قلم ہدایت
رقم عالیجناب مستطاب العلامۃ الشہیر الفقیہ النحریر علم الاعلام حجۃ الاسلام
آیۃ اللہ الملک العلام سرکار شریعت مدار مولانا و مقتدانا السیّد
یوسف حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمن دام اللہ ظلہ العالی ما اتصل الایام باللیالی

موسومہ بہ

جوابات شافیہ

بارشاد الجلیل النبیل الجمال الجمیل النوّر الوضی النیر المضی عمدۃ الاماثل
زبدۃ الافاضل جناب مولوی حکیم السیّد محمد ابو جعفر صاحب خلف
عالی جناب قدسی القاب السید السند العمید المعتمد البحر الذخیر والعلامۃ
النحریر مولانا ومقتدانا السید احمد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ

سنہ ۱۹۱۵ء

در مطبع یوسفی دہلی باہتمام سید صغیر حسن شمسی حلیہ انطباع پوشید

دفعہ اول
۵۰۰ جلد

التماس

جملہ شیعیان امروہہ کے لئے خصوصاً اور مومنین ہندوستان کے لئے عموماً یہ خبر مسرت اثر صرف فرحت انگیز ہی نہیں ہے بلکہ موجب فخر ومباہات ہے کہ عالیجناب مستطاب عمدۃ المتکلمین زبدۃ المحدثین جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول سرکار شریعتمدار مولانا و مقتدانا السید **یوسف حسین** صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان لازال علینا ظلہ العالی بدوام الایام واللیالی اپنے وطن مالوف میں معقول و منقول کی تحصیل درجہ کمال پر کر کے بغرض تکمیل علوم عتبات عالیات تشریف لے گئے تھے اور وہاں پر تقریباً نو برس تک قیام فرما کر علمائے اعلام و حجج اسلام ادامہم اللہ المنعام کے دروس سطحیہ و خارجیہ میں تحقیق و اتقان کے ساتھ شرکت فرما کر معراج کمال پر فائز ہوئے اور حضرات علمائے کرام و مجتہدین عظام نجف اشرف و کربلائے معلےٰ نے سرکار ممدوح کا تبحر علمی ملاحظہ فرما کر اجازہ ہائے اجتہاد سے سرافراز فرمایا سرکار ممدوح اپنے وطن مالوف قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد میں تقریباً ایک سال سے رونق افروز ہیں اور اپنے علوم و فنون کے دریائے ناپیدا کنار کے فیوضات سے تشنگان راہ ہدایت کو سیراب فرما رہے ہیں چنانچہ حقیر سراپا تقصیر کو بھی سرکار ممدوح کی عالی خدمت میں فخر تلمذ حاصل ہے حال ہی میں قصبہ امروہہ کی ایک عالم نبیل و فاضل جلیل نے سرکار ممدوح سے چودہ سوالات فرمائے تھے جنکے جوابات جناب ممدوح نے تحریر فرمائے جنکی نقل بغرض آگاہی خواص و عوام مشتہر کیجاتی ہے ان جوابات شافیہ سے اعلےٰ درجہ کے تعلیمیافتہ حضرات و نیز معمولی لکھے پڑھے دونو فریق کی اصحاب بشرطیکہ عقل مستقیم و ذوق سلیم رکھتے ہوں انشاء اللہ ضرور مستفیض ہونگے اور فی زماننا اکثر اصحاب نئی روشنی کے دلدادہ ہیں اور ان کے قلوب میں وساوس و شبہات بسبب حصول تعلیم فلسفۂ مغربی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور متمنی رہتے ہیں کہ منقولات کے پہلو بہ پہلو معقولات سے بھی اعتراضات کا جواب دیا جاوے ایسے حضرات کیواسطے یہ جوابات شافیہ یقیناً آبحیات ثابت ہونگے ؎

الملتمس احقر ابو جعفر تلمیذ سرکار ممدوح مدظلہ العالے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد و آلہ الطیبین الطاہرین ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین من الآن الی یوم الدین

سوال از اصول دین

قال اللہ تعالیٰ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ الآیۃ وقولہ تعؔ من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم

ہر دو آیہ سے ظاہر ہے کہ وحدانیت و رسالت و قیامت ایسی شے ہیں جنکے جاننے کو ایمان لانا کہا ہے اور انکے جان لینے اور عمل صالح بجالانے پر نجات کا وعدہ ہے لہذا شے زائد کو تحقق ایمان اور حصول نجات میں مقرر کر لینا اختراع و بدعت ہے یا نہیں حالانکہ قرآن میں کہیں امامت و عدالت کیلئے تکلیف ایمان لانے کی نہیں اور اسپر ثواب و نجات کا مترتب ہونا یا انکا اصول دین میں شامل ہونا نہیں آیا بلکہ احادیث کافی سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت از جملہ فروع ہے؛

جواب

اگرچہ ظاہر ہر دو آیہ مقتضی سوال ہے لیکن بنظر دقیق غور کیا جائے تو خود آئیں ہی اس امر پر شاہد ہیں کہ امور مذکورہ بدون عدالت و امامت سبب نجات نہیں بن سکتے کیونکہ ایمان بخدا بدون ان امور پر ایمان لائے ہوئے جن کی نسبت اسنے ارشاد فرمایا ہے تحقق نہیں ہو سکتا اسلئے کہ عدم تصدیق امور مذکورہ مستلزم تکذیب خدا ہے اور تکذیب خدا کفر ہے مثلاً اگر کوئی شخص خدا پر ایمان لے آئے اور رسول پر نہ لائے تو وہ حقیقۃً ایمان ہی نہیں اسیطرح اگر کوئی شخص خدا و رسول پر

ایمان لائے اور ماجاء بہ الرسول پر ایمان نہ لائے تو یہ تکذیب رسولؐ کو
مستلزم ہے اور تکذیب رسولؐ بمقتضائے ماینطق عن الھوی ان ھو
الا وحی یوحی تکذیب خدا کو مستلزم ہے پس اس صورت مین ایمان
باللہ بھی منتفی ہوجائے گا۔ محصل یہ ہے کہ ایمان باللہ ایمان بالرسولؐ
کو مستلزم ہے اور ایمان بالرسولؐ ایمان بکل ما اخبر بہ الرسولؐ کو مستلزم
ہے تا وقتیکہ ایمان بکل ما اخبر بہ الرسولؐ نہوگا ایمان بالرسولؐ بلکہ ایمان
باللہ بھی نہوگا اور چونکہ منجملہ اخبار رسولؐ خبر عدالت و امامت بھی ہے تو
بعد ثبوت ملازمہ ان دونون کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اکتفا بذکر
ملزوم پر عند العقلا صحیح و مستحسن ہے مثلاً کوئی مولا اپنے عبد سے
کہے کہ جئنی بالاربعۃ بغیر اسکے کہ اربعہ کو مقید بقید زوجیت کرے تو آیا
یہ کلام عرفاً غلط ہوگا اور کیا عقلا ایسے مولا کی تقبیح کرین گے؛
حاشا ثم حاشا اور اس دعوے کی موید آیۂ ثانیہ ہے کیونکہ اُس میں
ایمان بالرسول صراحۃً مذکور نہیں پس اگر تصریح لازم ضروری ہوتی تو
فلھم اجرھم عند ربھم فرمانا درست نہوتا حالانکہ ایمان بالرسولؐ
سائل کے نزدیک بھی تحقق ایمان اور حصول اجر میں شرط ہے پس
آیۂ ثانیہ میں عدم ذکر ایمان برسالت کی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں
کہ ایمان باللہ ایمان بالرسول کو مستلزم ہے اور ذکر ملزوم ذکر لازم سے
مغنی ہے پس اس بیان سے ثابت ہوگیا کہ ثبوت و حصول ایمان اور ترتب
ثواب میں عدالت و امامت کو بھی دخل ہے بلکہ یہ دونون ایمان بخدا و
رسولؐ کے جزء مقوم ہیں اور چونکہ انتفائے جزء انتفائے کل کو مستلزم ہے تو
اس حالت میں ان دونون کا ادخال تحقق ایمان میں بدعۃ و تشریع کیونکر ہو

سکتا ہے بلکہ جزو ایمان ہے لان التشریع ھو ادخال ما لیس من الدین
او ما لم یعلم انہ من الدین فی الدین اب ایک اشکال اور باقی رہا وہ یہ کہ احادیث
کافی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں منجملہ فروع ہیں، پس انکو اصول میں داخل
کرنے کی کیا وجہ؛ اسکا جواب یہ ہے کہ مذہب کے اصول ہیں اور اسلام کے فروع
فلا منافاۃ بین کونہما من الاصول و الفروع معًا فانہ یشترط فی التناقض اتحاد الجہتہ
اور اگر کہا جائے کہ علاوہ ان دو کے انہیں کی مثل اور بہت سے اُمور ہیں انکو
اصول مذہب میں داخل نہ کرنے کی کیا وجہ فما الفرق بینہما و بینہما
ھل ھو الا ترجیح بلا مرجح تو اسکا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ دونوں ام علمائے
اسلام میں معرکۃ الآراء تھے لہذا ان دونو کو ہمارے علمائے نے مہتم بالشان ہونے
کی وجہ سے اصول میں داخل کیا اور باقی کو فروع میں؛

سوال دوم از اجابت دُعا

قال اللّٰہ تبارک و تعٰ و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع
اذا دعان و قولہ تعٰ قال ربکم ادعونی استجب لکم ہر دو آیہ سے دُعا کا
بلا فاصلۂ اوقات مستجاب ہونا بالحتم موعود ہے اور کوئی حیلۂ شرط و شرائط
عدم استجابت کیلئے نہیں اور تجربہ خلاف اس کے ہے کہ برسوں دُعا قبول
نہیں ہوتی بلکہ نہیں ہی ہوتی۔ پس کیا معنی ہیں فانی قریب اور استجب لکم کے؛

الجواب

اولًا جواب اس کا یہ ہے کہ ترتّب کی دو قسمیں ہیں؛ ایک ترتّب بنحو
العلیۃ التامۃ جیسے کہ ترتب وجود نہار کا طلوع شمس پر دوسرے ترتب
بنحو الاقتضا جیسے ترتب وجوب صلوۃ زوال شمس پر۔ پس محض

زوال شمس وجوب صلوٰۃ کی علت تامہ نہیں ہے بلکہ مقتضی ہے لان
وجوب الصّلوٰۃ متوقف علیٰ وجود الشرائط بشراشرھا و رفع الموانع وکم فرق
بین المقتضی والعلۃ التامۃ پس جبکہ ترتب اعم ہوا تو کوئی امر اس آیہ میں ایسا نہیں
جو ترتب کے قسم اوّل ہونے پر دال ہو اذلادلالۃ للعام علی الخاص باحدی
الدلالات الثلث اور ثانیاً یہ کہ دونو آیہ قضایائے شرطیہ ہیں اور چونکہ
سور کلّی وجزئی سے خالی ہیں لہذا مہملہ ہیں اور جہۃ مذکور نہونیکی وجہ سے مطلقہ
ہیں اور مطلقہ میں مطلق اتصال ہوتا ہے نہ لزوم اتصال؛ پس دُعا و اجابت میں
مطلق اتصال ہے نہ لزوم اتصال اور مہملہ چونکہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے پس
معنی آیہ کے یہ ہونگے کہ اگر تم مجھ سے دُعا مانگوگے تو کبھی کبھی ایسا ہوگا کہ تمہاری
دعا کو قبول کرونگا اور اسی پر آیۂ دوم کے معنی کو قیاس کر لیا جائے؛

سوال سوم از مسئلہ بدا

حدیث کافی بداللہ فی ابی محمد بعد ابی جعفر مالم یکن یعرف لہ
کما بدالہ فی موسی بعد مضی اسمٰعیل ما کشف بہ عن حالہ الخ
اس سے ظاہر ہے کہ اللہ پر مقدمہ امام حسن عسکری میں بعد وفات ابو جعفر
علیہ السلام کے ظاہر ہوا کہ جو پہلے سے اُسپر ظاہر نہیں تھا مثل ظاہر ہونے امر
امامت امام موسی کاظم علیہ السلام کے بعد گذر جانے اسمٰعیل کے تو اس حدیث
سے معلوم ہوگیا کہ خدا کچھ غیب کا حال نہیں جانتا؛

الجواب

بدا از کونیات میں ایسا ہے جیسا نسخ شرعیات میں پس جیسے کہ نسخ مقام اثبات
میں رفع حکم ہے اور مقام ثبوت میں دفع حکم۔ اسیطرح بدا بھی مقام اثبات میں

بدا ہے اور مقام ثبوت میں ابداء۔ پس جیسے کہ صورت اولی کی دونون شقون میں رفع حکم ماننے سے جہل خدا لازم آتا ہے اسیطرح صورت ثانیہ کی دونون شقون مین بدا ماننے سے پس جبکہ نسخ احکام میں باتفاق فریقین جائز ہے تو بدا بھی باین معنی جائز ہونا چاہیئے؛ غرضکہ بداء حقیقی چونکہ بہ نسبت باریتعالی کے تغیر ارادہ کو مستلزم ہے لہذا محال ہے پس جس جگہ نسبت بدا کی خداوند عالم کی طرف ہے وہ بمعنی ابداء ہے اور دوسری وجہ بدا کے بمعنی ابداء ہونیکی بالخصوص اس حدیث میں یہ ہے کہ اخبار مستفیضہ سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صحیفہ لائے کہ جسمیں تمام خلفا کے اسما یکے بعد دیگرے مذکور تھے اور نیز حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ نے بارہا خلفائے اثنا عشر کی فرداً فرداً معہ انکی اسماء گرامی کے تصریح فرمائی پس اس صورت میں آیا ممکن ہے کہ جبرئیل و نبی کو تو تمام خلفا کا علم ہو اور معاذ اللہ خدا کو علم نہو اور بعضے اخبار اور بھی بدا کے بمعنی ابدا ہونے پر شاہد ہیں چنانچہ خبر صحیح میں حضرت صادق علیہ السلام سے وارد ہے کہ مابدا اللہ فی شئ الا کان فی علمہ قبل ان یبدو لہ اور اس حدیث میں کہ جو سوال میں مذکور ہے بدا اللہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ بین الناس چونکہ یہ شائع تھا کہ امامت بعد وفات پدر اکبر اولاد کا حق ہے اور اسمٰعیل اکبر اولاد تھے اسلیئے تمام اصحاب یا غالب اصحاب کا یہ خیال تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اسمٰعیل امام ہونگے لہذا خدا نے انکو دار دنیا سے اُٹھالیا تاکہ اس سے ظاہر ہو جائے کہ وہ اپنے باپ کے بعد امام نہیں پس بالعرف حدیث مذکور میں فعل مجہول ہے اور ضمیر مجرور الی محمد کی طرف راجع ہے وحینئذ فلا اشکال اصلاً

سوال چہارم از مسئلہ جبر و اختیار

قولہ تعٰ یضل من یشاء و یھدی من یشاء وقولہ فمن یرد اللہ ان یھدیہ

یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا وقولہ
ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان ع سے ظاہر ہے کہ خدا کی ہدایت سے
ع اللّٰہ یرید ان یغویکم
انسان مسلمان اور خدا کے ارادہ اور گمراہ کرنے سے کافر ہوتا ہے ایسی حالت میں
جزا و سزا کے وعد وعید قرآن میں بنا بر ظلم کے وارد ہیں ؁

الجواب

اضلال یضل من یشاء میں اپنے معنی حقیقی میں مستعمل نہیں ہے کیونکہ اگر
خدا تعالےٰ عبد میں ضلالت پیدا کر دے اور مع ذالک تکلیف ایمان بھی دے تو اس
صورت میں جمع بین المتضادین کی تکلیف لازم آئیگی وہذا تکلیف بما لا یطاق
ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور ثانیاً یہ کہ اگر ایسا ہو تو تنزیل کتب
اور بعث رسل عبث و بیفائدہ ہوئے جاتے ہیں ثالثاً یہ کہ اُس نے ابلیس پر
تلبیس اور اُسکے گروہ کی مذمت فرمائی ہے اور استعاذہ کا امر کیا ہے جیسا کہ قل
اعوذ برب الناس من شرّ الوسواس الخنّاس۔ وقل رب اعوذ بک من
ھمزات الشیاطین۔ واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ سے
ظاہر ہے پس اگر فاعل ضلال خدا ہو تو اُس سے بھی معاذ اللہ استعاذہ واجب
ہوگا جیسے کہ اُن سے واجب ہے اور مستحق مذمت ہوگا جیسے کہ وہ مستحق مذمت
ہیں بلکہ اس وقت تینزہ ابلیس کا تمام قبائح سے لازم آئیگا فقائل جدًا۔ ابعا
وما یضل بہ الا الفاسقین الذّین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ
جو ذیل آیہ ہے صراحتہً اس امر پر دال ہے کہ اضلال جو خدا کی طرف منسوب ہے وہ
انکے فسق کے بعد ہے پس چاہیئے کہ یہ ضلال فسق و کفر کے مغائر ہو ورنہ لازم
اثبات الثابت و تحصیل الحاصل پس اضلال و ضلال بمعنی عقاب و
تعذیب ہیں جیسے ان الظالمین فی ضلال وسعر ہیں۔ اور ممکن ہے کہ

اضلال عن الجنۃ مراد ہو یا اور کوئی تاویل کی جائے کیونکہ ظہور لفظی اور عقل میں جب معارضہ ہوا کرتا ہے تو ظاہر اپنے ظہور سے ساقط ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں اُسکی تاویل حکم عقل کے مطابق واجب و لازم ہوتی ہے کما لا یخفی علی من له ادنیٰ درایۃ فی الاصول نظیر اُسکی الرحمٰن علی العرش استوی - ویداللّٰہ فوق ایدیھم وغیرہ ہیں بقیہ آیات کی تاویلات مجمع البیان میں مذکور ہیں۔ من شاء فلیرجع الیہ

سوال پنجم

قال اللّٰہ تعہ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء کیا اسکے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ جس مشرک کو چاہے بخش دے اور جس مومن صالح کو چاہے عذاب دیوے اسی معنی کی تائید حدیث لا ابالی سے جو کافی کے کتاب الکفر والایمان میں صفحہ ۳۵۱ پر ماثور ہے ہوتی ہے۔

الجواب

یغفر لمن یشاء الخ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جس مشرک کو چاہے بخش دے اور جس مومن صالح کو چاہے عذاب کرے جیسا کہ حدیث نبویؐ ما من احد یدخله عمله الجنه و ینجیه من النار قیل ولا انت یا رسول اللّٰہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللّٰہ برحمۃ منه اسکی مؤید ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وجوب مغفرت خدا پر حتمی نہیں بلکہ علی سبیل الرحمۃ والتفضل ہے اور اعمال صالحہ سبب دخول جنت نہیں ہو سکتے کیونکہ جمیع اعضاء و جوارح جن سے اعمال صالحہ واقع ہوتے ہیں سب کے سب مال خدا ہیں علاوہ بریں توفیق بھی اُسی کی جانب سے ہے کہ جسکے بغیر اعمال صالحہ

خیز وجود میں آہی نہیں سکتے چنانچہ قول حضرت یوسف علے نبینا وآلہ علیہ السلام (وما اُبرّیٔ نفسی الخ) اس امر کی تائید کر رہا ہے پھر اس صورت میں عبد کیونکر مستحق ثواب ہو سکتا ہے، دوسری وجہ عدم استحقاق کی یہ بھی ہے کہ باریتعالے منعم ہے اور شکر منعم عقلاً وعرفاً وشرعاً واجب ہے پس جس قدر کہ اعمال صالحہ ہیں وہ بمقابل اُن نعمات لاتعد ولاتحصیٰ کے ہیں کہ جنکو باریتعالے نے ہر ہر عبد کو عنایت فرمائی ہیں بلکہ فی الجملہ تقابل ہے نہ تقابل مطابقی تقابل مطابقی کے لیئے لاتعد ولاتحصیٰ اعمال صالحہ کی ضرورت ہے پھر ایسی حالت میں استحقاق کہاں اور اسیطرح عقلاً ممکن ہے کہ مشرک سے باوجود شرک براہ تفضل متعرض نہ ہو اگرچہ امکان فعلیّت کو مستلزم نہیں ؞

سوال ششم از مسئلہ ربا

قال اللہ تعٰ وما اتیتم من ربا لیربو فی اموال الناس فلایربوا عند اللہ اسکے کیا معنی ہیں کیا ربا محرم بھی عند اللہ ربا نہیں جو موجب عذاب ہوے یا اس رباء سے مُراد ربا من الکافر وغیرہ ہے

الجواب

(آیہ وما اتیتم من ربا لیربو فی اموال الناس الخ) یمحق اللہ الرّبا ویربی الصدقات کی نظیر ہے اور سوال یا تو مغالطہ پر کہ جو مباحث علمیہ میں مستحسن ومحبوب سمجھا جاتا ہے مشتمل ہے یا مسامحہ پر کیونکہ آیہ کے یہ معنی نہیں جو آپ نے تفسیر فرمائی ہیں یعنی تم لوگ جو سود دیتے ہو تاکہ لوگون کے مال میں ترقی ہو تو ایسا مال خدا کے نزدیک ربا نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ تم لوگ جو سود دیتے ہو تاکہ لوگون کے مال میں ترقی ہو تو ایسا مال خدا کے نزدیک پھولتا پھلتا نہیں

ولو بحسب ظاہر زیادتی معلوم ہوتی ہو نہ یہ کہ یہ سود خدا کے نزدیک سود نہیں ہے،
اس دعویٰ کی تائید ذیل آیہ یعنی (وما اتیتم من زکوٰۃ فاولئک ہم المضعفون)
سے بھی ہو رہی ہے پس کوئی لفظ اس آیہ میں ایسا نہیں جو ربائے محرم کی
عنداللہ ربا نہ ہونے پر دلالت کرتا ہو

سوال ہفتم از مسئلہ رزق علی اللہ

قال اللہ تعالیٰ وما من دابۃ الا علی اللہ رزقھا سے ظاہر ہے کہ
جملہ مخلوق کو خدا رزق دیتا ہے حالانکہ کفار و فساق بجز کسب حرام کے روزی
حاصل نہیں کرتے تو کیا خدا ان کو بوجہ حرام روزی رساں ہے؛

الجواب

بمقتضائے النصیب یصیب ولو کان تحت الجبال ہر شخص کیلئے خداوند
عالم نے جس قدر رزق روز اول میں مقدر فرما دیا ہے وہ ضرور اسکو ملے گا؛
آنچہ نصیب است ہم می رسد ٭ گر نہ ستانی بستم میرسد ٭ گو یہ شخص رزق کی
کمیت و کیفیت سے واقف نہیں پس خدا کی طرف جو شے مستند ہے وہ محض
رزق ہے لیکن تحصیل معاش کے طرق اور ذرائع افعال عباد کی طرف راجع
ہیں نہ خدا کی ورنہ نواہی اور تکلیفات تحریمیہ بالکل لغو ہوئے جاتے ہیں اور
نظیر اسکی یہ ہے کہ اگر کوئی مولا اپنے عبد کیلئے کوئی مقدار بغیر اطلاع معین
کر کے کسی مقام میں رکھدے اور بعد ازاں وہی عبد اس مقدار کو چرالے
تو آیا یہ دزدی عند العقلاء مولا کی طرف منسوب ہوگی ہرگز نہیں حدیث
میں وارد ہے کہ عمر بن قرہ نے جناب رسو لخدا صلے اللہ علیہ و آلہ سے کہا
کہ خداوند تعالے نے میری تقدیر میں شقاوت لکھی ہے کہ بذریعہ نغمہ

سازی و دف نوازی و زمرمہ پردازی کے تحصیل معیشت کرتا ہون پس ان
اُمور کی بلا کراہت مجھکو اجازت دیجئے: حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا کہ اے دشمن پروردگار ہرگز میں تجھکو اجازت ان افعال کی نہ دون گا۔
اے دشمن خدا حق تعالےٰ نے رزق حلال و طیّب مقدر کیا ہے لیکن تو نے
اپنی شامت اعمال سے بجائے رزق حلال کے رزق حرام اختیار کیا ہے آگاہ
ہو کہ اگر بعد اسکے تو نے یہ بات کہی تو تیری تادیب بضرب شدید کرونگا:

سوال ہشتم از عذاب آخرت

قال اللہ تعالیٰ کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا
اس آیہ سے ظاہر ہوا کہ جلد سوختہ تبدیل ہوگی اس صورت میں اگر جلد آخر
عین جلد اول ہے تو اُسکو غیر کیون فرمایا تبدیل صفت میں محض صفت
کا ہی ذکر ہوتا نہ کہ موصوف کو بھی مع صفت آخر کے بیان کیا جائے اور اگر
یہ جلد آخر کوئی اور جلد ہے تو یہ مورد عذاب کس گناہ میں آئی:

الجواب

چونکہ ثواب و عقاب کا مدار ادراک پر ہے پس متعلق عقاب وہی شے ہو سکتی
ہے جو قابل ایلام ہو اور قابل ایلام وہی شے ہو سکتی ہے جو قابل ادراک
ہو اور وہ محض روح ہے نہ بدن و جلد کیونکہ بدن بے روح کو اگر قطعہ قطعہ کر
دیا جائے تو اُسکو کوئی الم نہوگا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ بدن بے
روح چونکہ مثل جماد ہے لہذا اسکو کچھ بھی احساس نہیں اور روح موجود
ہونے کی حالت میں جو ہاتھ پیر کاٹنے سے الم ہوتا ہے وہ ہاتھ اور پیر کو
نہیں ہوتا بلکہ روح کو ہوتا ہے پس جو شے قابل ایلام نہیں قابل عقاب

بھی نہیں مثلاً اگر پتھر کو آگ میں ڈالدیا جائے تو کوئی عاقل یہ نہ کہیگا کہ پتھر پر عقاب ہو رہا ہے پس اگر خداوند عالم جلد اصلی جل جانے کے بعد دوسری جلد کو جو جلد اول کے مغائر ہے اس روح کا قالب مثالی بناکر اُسی روح کو عقاب کرے تو یہ کیونکر ظلم کو مستلزم ہوسکتا ہے البتہ اگر جلد کو بھی الم پہنچتا تو ضرور یہ امر مستلزم ظلم تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ جلد ثانی جلد اوّل کے بالکل مغائر نہیں۔ بلکہ اُس کے اصلی اجزا موجود ہیں اگرچہ صورت و ہیئت متغیر ہوگئی ہے اور اس قدر تغائر تغائر حقیقی نہیں بلکہ یہ تغائر مثل اُس تغائر شخص انسانی کے ہے جو حالت طفولیت سے پیری تک ہوا کرتا ہے پس زید مثلاً باوجود تبدل حالات و انواع تغیرات وہی شخص واحد ہے نہ اشخاص متعددہ اور اسی لئے اگر کوئی شخص جوانی میں جنایۃ کرے اور پیری میں اُسکو سزا دی جائے تو یہ عقوبت اور سزا عند العقلاء اُسی شخص جانی کو ہوگی نہ کسی دوسرے شخص کو اور اُسوقت میں غیریت سے مراد غیریت تشخصیہ ہوگی نہ غیریت حقیقیہ ؛

سوال نہم از مسئلہ امامت

قال اللہ تعالیٰ انی جاعلك للناس اماماً قال و من ذریتی قال لاینال عھدی الظٰلمین اس سے ظاہر ہوا کہ نیل امامت بحالت ظالمیّت ممنوع ہے اور عصمت امامت کے لئے مشروط نہیں یعنی کافر امام نہ ہوگا اور مسلمان امام ہوسکتا ہے اگرچہ سابق الکفر ہو کیونکہ ظلم ضد عصمت کی نہیں قال اٰدم انی ظلمت نفسی تو ظلم و عصمت جمع ہوتا ہے ؛

الجواب

مسئلہ مشتق میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک معنی اعم یعنی من تلبس بالمبدء بالفعل اور من انقضیٰ عنہ المبدء دونو کے لیئے موضوع ہے پس اس وقت میں ایسا شخص کہ جس سے ظلم واقع ہو چکا ہو اور فعلاً متلبس بظلم نہو بلکہ فیما مضے حقیقتاً ظالم ہے پس بمقتضائے آیۂ شریفہ نیل خلافۃ کا مستحق نہیں اور بعض کے نزدیک خاص من تلبس بالمبدء بالفعل کے لیئے موضوع ہے البتہ اس مذہب کی بناء پر بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ حین التصدی للخلافۃ ظلم منقضی ہو چکا تھا لیکن اس صورت میں جواب یہ ہے کہ اوصاف عنوانیہ جو موضوعات قضایا میں ماخوذ ہوتے ہیں اقسام متعددہ ہیں کبھی ان عنادین سے صرف موضوع واقعی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور عنادین کو حکم میں کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے اکرم من فی الدار اور کبھی اس وصف عنوانی کو حکم میں مدخلیت ہوتی ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ حدوث عنوان موضوع علت حدوث حکم ہو اور اُس کا بقائے حکم کی علت ہو یعنی علۃ مبقیہ غیر علت محدثہ ہو جیسے اکرم العادل دوسرے یہ کہ حدوث عنوان حدوث حکم اور بقائے حکم دونون کی علت ہو یا یون کہیں کہ علت محدثہ عین علت مبقیہ ہو جیسے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما والزانیۃ والزانی فاجلدوا الخ اور عنوان ظالمیت آیۂ شریفہ میں یقیناً بنحو اوّل ماخوذ نہیں کما لا یخفی بلکہ اخیر کی دونون قسمون میں امر دائر ہے اور چونکہ مقام تعیین میں قرینہ کی احتیاج ہے اور اخذ عنوان ظلم پر کہ جس سے ظلم شرکی مُراد ہے جیسا کہ خود خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ان الشرک لظلم عظیم بنحو ثانی کوئی قرینہ نہیں

بخلاف قسم ثالث کے کہ اُس کی تعیین پر قرینہ عقلیہ مقامیہ دال ہے اسلئے کہ آیۂ شریفہ مقام بیان میں قدر و جلالت مرتبہ امامت و خلافت کے ہے اور یہ کہ مناصب الٰہیّہ میں اس منصب کو ایک خصوصیت خاص ہے جو اور منصبوں میں نہیں ہے پس مقصود اس آیہ سے یہ ہے کہ منصب خلافت چونکہ منصب عظیم الشان ہے کہ جو ریاست دینی و دنیوی دونوں کو شامل ہے پس ایسا شخص کہ جو صفت ظلم کے ساتھ متصف ہو یا کسی وقت میں ہو چکا ہو ہرگز اس مرتبہ کے لائق نہیں ہیں ملاحظہ فرمایئے کہ ہماری گورنمنٹ بلکہ تمام سلطنتوں میں کسی مجرم کو درجہ حکومت نہیں دیا جاتا پس جبکہ حکومت دنیویہ میں اتنی احتیاط ہے تو حکومت دینی و دنیوی بدرجۂ اولے لائق احتیاط ہونی چاہیئے اور چونکہ اشخاص معہودین کا ظالم ہونا مسلمہ فریقین ہے پس بمقتضائے آیۂ شریفہ ان اشخاص کا قابل خلافت نہونا اظہر من الشمس ہے ؛

سوال دہم از نجاست کفار

قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس اس سے ظاہر ہے کہ حکم نجاست کا مخصوص مشرکین باللہ سے ہے منکر رسالت اور مبغض حضرات آئمہ کو جو نجس کہا جاتا ہے قرآن اُسکا موید نہیں اگر موید ہے تو کونسی آیت سے تائید نجاست منکرین و مبغضین کی ہوتی ہے ؛

الجواب

اس آیۂ وافی ہدایہ میں مقصود انما سے حصر موصوف علے الصفت ہے نہ حصر صفتہ علے الموصوف اور بانسبتہ الے الطہارۃ حصر اضافی ہے

یعنی مشرکین کے واسطے طہارت ثابت نہیں پس یہ آیہ اگرچہ محض نجاست مشرکین پر دال ہے اور غیر مشرکین کی نجاست وطہارت سے ساکت ہے کیونکہ حصر صفت علی الموصوف نہیں ہے لیکن چونکہ مدرک وماخذ احکام قرآن ہی میں منحصر نہیں بلکہ سنت واجماع عقل بھی ہیں پس نجاست کفار غیر مشرکین کو احادیث اور اجماع مرکب سے ثابت کیا جائیگا فان کل من قال بنجاسۃ المشرکین قال بنجاسۃ جمیع الکفار

سوال یازدہم از شرب خمر

قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون اس سے ظاہر ہوا کہ حکم نہی بحالت سکر وارد ہے جس میں تمیز نہیں رہتی کہ ہم کیا کہتے ہیں پس کیا نہی مرتفع ہو جائے گی جبکہ بحالت شرب خمر اس قدر سمجھ رہے کہ جواب کہنے اور قرأت کرنے کو سمجھتے جائیں کہ اب الحمد پڑھی اور اب ذکر رکوع کیا تو یہاں پر شرب خمر مانع نماز نہ رہا پس اب حلیت خمر میں کیا کلام ہوگا؟

الجواب

اس آیہ میں لفظ سکاریٰ دو امرون کو محتمل ہے ایک سکاریٰ بسکر نوم دوسرے سکاریٰ بسکر خمر اول صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں البتہ دوسری صورت میں بظاہر اشکال معلوم ہوتا ہے پس اُس کا دفعیہ یون ہوسکتا ہے کہ شرب خمر من حیث ہو ہو مانع ومبطل صلوٰۃ نہیں جیسے کہ اکل نجس مانع ومبطل صلواۃ نہیں

اس لئے کہ جس نہی کا تعلق نفس عبادت یا جزء عبادت یا شرط عبادت سے نہیں ہوتا بلکہ امر خارج سے ہوتا ہے تو وہ نہی فساد عبادت کو مستلزم نہیں ہوتی جیسے کہ حالت نماز میں زن اجنبیہ کی جانب نظر کرنا مانع و مبطل صلوٰۃ نہیں حالانکہ اُسکے بارہ میں نہی وارد ہوئی ہے لیکن چونکہ اس نہی کا تعلق امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے لہذا فساد نماز کو مستلزم نہیں جیسے کہ زن اجنبیہ کی جانب حالت نماز میں نظر کرنا حلیّت نظر کو مستلزم نہیں پس مانع نماز نفس سکر ہوا گو غیر خمر سے حاصل ہوا ہو اور اسی لئے لفظ سکاریٰ باطلاقہ موضوع حکم قرار دیا گیا ہے نہ مقید بہ سکر خمر کیونکہ حالت سکر میں غفلت عارض ہوتی ہے اور وہ شرط صحت صلوٰۃ یعنی نیّت و قصد و التفات کے منافی ہے رہی حرمت خمر وہ اس آیت سے ثابت نہیں بلکہ آیہ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ اور اخبار معصومین علیہم السلام اُسکی حرمت کو ثابت کرتے ہیں۔

سوال دوازدہم

حجر اسود کے استلام پر دیگر اقوام صنم پرستی کا اعتراض کرتی ہیں جواب ارشاد فرماویں۔

الجواب

حجر اسود کی تعظیم یا ضریح مقدسہ اور مصاحف مشرفہ کی تکریم اسلئے ہے کہ یہ بزرگ اور بابرکت اشیا طاعت و عبادت کا وسیلہ اور مقدمہ ہیں اور فی نفسہ انکی تعظیم عین خدا کی تعظیم ہے اور ان کی

بے ادبی حقیقتاً خدا کے ساتھ بے ادبی ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا
ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب اور ایسے ہی آیۂ
ومن یعظم حرمات اللہ الخ یعنی جو کوئی اُن چیزون کا احترام کرے جو
طاعت کا وسیلہ و ذریعہ اور علامت ہیں تو یہ قلب کی طہارت کا سبب
ہیں۔ استلام حجر اسود کا قیاس صنم پرستی پر قیاس مع الفارق ہے مثلاً
روٹی کو اُٹھا کر تعظیماً اور نعمت خدا ہونے کی وجہ سے چُوما جائے
تو کوئی عاقل یہ نہ کہیگا کہ روٹی کا چُومنا معاذ اللہ نان پرستی ہے عرب کا
قاعدہ ہے کہ معانقہ کے وقت پیشانی کا بوسہ لیتے ہیں پس اگر استلام
پرستش کا سبب ہو تو چاہیئے کہ یہ آدم پرستی ہو اور نیز زوجہ کے
استلام سے زوجہ پرستی لازم آئے حالانکہ ان اُمور کا کوئی عاقل قائل
نہیں پس معلوم ہوا کہ مطلق استلام پرستش کا سبب نہیں اگر عبدیت
اور معبودیت کے قصد سے بُت پرستوں کی طرح استلام واقع کیا جائے
تو البتہ حجر اسود کا استلام بت پرستی میں داخل ہو جائیگا لیکن وہ
استلام کہ جو خدائے تعالیٰ کے شعائر ہونے کے قصد سے ہو ہرگز
بُت پرستی نہیں بلکہ عین خدا پرستی ہے ؛

سوال سیزدہم

ارسال الیدین فی الصّلواۃ کے متعلق کوئی نص صریح موجود ہو تو
ارشاد کریں ؟

الجواب

شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے اپنی شرح اربعین میں ایک حدیث

مفصل وطولانی نقل کی ہے جو بالصراحۃ ارسال یدین فی الصلوٰۃ کی وجوب پر دال ہے چونکہ حدیث طویل ہے اسلیئے محض حوالہ کتاب پر اختصار کیا گیا ؂

سوال چہاردہم

یہ مسلم بات ہے کہ تحریف فی القرآن ضرور ہوئی لہذا بہ نسبت اس قرآن شریف کے وہ قرآن شریف جو مرتبہ امیرالمومنین ؑ ہے زیادہ افضل ہے، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ قرآن شریف کس مصلحت سے ہم تک نہیں پہنچا ہم قبول کرسکتے ہیں کہ اُسوقت کی مصلحت تھی مگر دیگر اقوام کے لئے یہ جواب مسکت نہیں لہذا وجہ ارشاد ہو:

الجواب

اس قرآن کے بارہ میں کہ جو متداول ہے ہمارے علما میں اختلاف ہے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اس قرآن میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہیں ہوئی جیسا کہ ہے اُسی قدر منزل من اللہ ہے نہ اس سے زیادہ اور نہ اُس سے کم اور اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ اس قرآن میں بیشی تو یقیناً نہیں البتہ نقصان کا احتمال ہے لیکن نہ ایسا نقصان کہ جو مطلب میں خلل انداز ہو اور اس قول کی تائید میں یہ دلیل لاتی ہیں کہ اگر یہ قرآن بجمیع اجزائہ وہی قرآن ہوتا جو اس قرآن سے قبل تھا تو تیسرے صاحب کو ازسرنو قرآن کے جمع کرنے کی دلسوزی اور حاصل شے کے حاصل کرنیکا دردسر کیوں ہوتا اگر یہ بھی ہوتا تو خیر کیونکہ اگر کسی سے فضول وعبث فعل وقوع میں آئیں تو ہماری بلا سے ہمارا کیا نقصان لیکن پچھلے

قرآن کا معاذ اللہ جلانا اور اُن کو بالکلیہ نیست و نابود کر کے نام و نشان
تک باقی نہ رہنے کی سعی و کوشش میں حد سے زیادہ منہمک ہونا صاف
طور سے تبلا رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے ورنہ اس عظیم الشان
اہتمام کی کیا ضرورت کیا اس قرآن کے ساتھ اُس قرآن کا رہنا گناہ
تھا اس سے معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ کمی ضرور واقع ہوئی ہیئتی خلیفہ صاحب
کے اختیار میں نہیں تھی اگر ہوتی تو کیا عجب تھا کہ بالکل کلام اللہ خلفاء
ثلاثہ ہی کے فضایل سے بہرا ہوتا بھلا تمام عرب بلکہ تمام دُنیا جس کا
مثل نہ لا سکے خلیفہ صاحب کیا اُس کا مثل بنا سکتے اس مقام پر
فخر رازی نے اس فعل شنیع کی عجیب و غریب تاویل کی ہے کہتے ہیں
کہ قرآن کا جلوا دینا نہایت تعظیم تھی اسلئے کہ اگر سابق کے قرآن باقی
رہجاتے تو اُنکے اجزا اور رُیزے ون کا زمین پر گرنا باعث استخفاف و اہانت
ہوتا۔ اہل انصاف ذرا غور کریں کہ قرآن کا زمین پر گرنا تو قرآن
کی سُبکی ہو اور اُن کا جلا دینا کمال تعظیم و احترام
ہو کیوں نہ ہو حب الشئ یعمی ویصم۔

اور محمد بن بحر رہنی نے نقل کیا ہے کہ صحابہ جس وقت
نبیؐ کے پاس حوض کوثر پر جائیں گے تو حضرت
فرمائیں گے کیف خلفتمونی فی الثقلین من بعدی فیقولون
اما الاکبر فحرّفناہ وبدّلناہ واما الاصغر فقد قتلناہ
ثم یذادون عن الحوض۔

بس یہ خبر بھی دلالت کرتی ہے کہ تحریف فی القرآن
ضرور ہوئی اور نیز اخبار مستفیضہ بلکہ متواترہ سے ثابت

ہوتا ہے جس وقت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قول خداوند تعالیٰ وان خفتم الا تقسطو فی الیتامیٰ فانکحوا کیا ربط ہے تو حضرتؑ نے فرمایا کہ اس مقام سے ایک ثلث قرآن سے زیادہ ساقط ہے اور حضرت صادق علیہ السلام سے کنتم خیر امّۃ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا کہ کیف یکون ھٰذہ الامّۃ خیر امّۃ وقد قتلوا ابن رسول اللہ لیس ھٰکذا بل نزلت کنتم خیر ائمّۃ ای الائمّۃ من اھل البیت اور اخبار کثیرہ سے یہہ بھی ثابت ہے کہ آیۂ غدیر اس طرح (یا ایھا الرّسول بلّغ ما انزل الیک فی علی فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ) پر تھی اس کے علاوہ اور بہت سے اخبار ہیں جن سے قرآن کا نقصان ثابت ہوتا ہے جن کے بیان کرنے میں تطویل کا خوف ہے؛

منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جب قرآن جمع کر چکے تو ردا میں لپیٹ کر مسجد رسولؐ میں لائے اور فرمایا ھٰذا کتاب ربّکم کما انزل تو خلیفۂ ثانی

نے کہا لیس لنا فیہ حاجۃ ھذا عندنا مصحف عثمان
اُس وقت حضرتؑ نے فرمایا لن نزوہ
لن یراہ احد حتے یظھر القائمؑ
اور یہ قرآن ہمارے آئمہ کے پاس موجود
رہا اور آنحضراتؑ اُسی کو خلوت میں پڑھا
کرتے تھے اور کبھی اپنے خاص الخاص
کو مطلع بھی کردیتے تھے جیسا کہ کلینی
علیہ الرحمہ نے سالمؒ بن سلمہ سے نقل کیا
ہے اب یہان چند اشکال وارد ہوتے
ہیں لہذا اشکالات مع اجوبہ ہدیۂ ناظرین ہیں
اشکال اوّل یہ کہ اگر اس قرآن میں تحریف
ہو تو لازم آتا ہے کہ یہ قرآن معجزہ
نہ ہو جس کا بطلان بدیہی ہے اس کا
جواب یہ ہے کہ قرآن کی زیادتی قرآن
کی حد اعجاز سے خارج ہونے کا سبب
ہو سکتی ہے لیکن نقصان غالبًا اسکا سبب نہیں
بن سکتا دوسرا اشکال یہ ہے کہ جب اس قرآن
میں نقصان ہے تو پھر اُسپر عمل کیون کیا جاتا
ہے اسکا جواب یہ ہے کہ نقصان اُن آیات میں جو
احکام سے متعلق ہیں ثابت نہیں اور اگر ہو تو ایسا نہیں
جو موجب تغیر حکم ہو اور اگر موجب تغیر بھی ہو تو یہ اعظم

غیبۃ امام سے نہیں پس جس طرح کہ ہم امام کی غیبت کے زمانہ میں اخبار آئمہ پر باوجود اختلاف کے عمل کرتے ہیں اور وہ کافی ہوتا ہے اگرچہ خلاف واقع ہو اسیطرح قرآن پر بھی اسلئے کہ جو حکم تقیۃً صادر ہوتا ہے وہ بھی کافی ووافی ہے اور اس قرآن کے ظاہر نہ کرنے کی وجہ مخالفون اور منافقون کا خوف تھا، روایت ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے کوفہ میں لوگون نے آکر کہا کہ تراویح کی جماعت کے واسطے امام تجویز فرماویں آنجنابؑ نے ان کو اس امر پہ سرزنش کی اور فرمایا کہ یہ سنت رسُول کے خلاف ہے پھر اُن لوگون نے خود تراویح کی جماعت کیلئے امام مقرر کیا، اور تراویح پڑھی حضرتؑ نے امام حسن علیہ السلام کو مسجد میں بھیجا فوراً حضرت ہاتھ میں دُرّہ لیکر مسجد میں تشریف لائے جب لوگون نے حضرتؑ کو آتے دیکھا تو مسجد کا دروازہ بند کرلیا اور واعمراہ کا غُل مچانے لگے اب اہل انصاف غور کریں کہ جب تراویح کے منع کرنے پر اس قدر واویلا ہوا تو عثمان کے قرآن کی جگہ اُس قرآن کو قائم کرنے میں کیا حالت ہوتی اور اسیطرح کا خوف وضیق تمام آئمہ کے زمانے میں رہا علاوہ بریں اگر بفرض محال فرض کرلیا کہ خوف وتقیہ نہ تھا تو ہم کہیں گے کہ اظہار اُس قرآن کا خلاف مصلحت ضرور تھا اسلئے کہ جب ثقل اصغر یعنی اہلبیتؑ میں بین المسلمین اختلاف ہونے سے کسقدر دین اسلام میں ضعف اور اضمحلال ہوا پس اگر خدانخواستہ بین المسلمین ثقل اکبر یعنے قرآن میں

بھی اختلاف ہوتا تو اسلام بالکل ہی نیست ونابود ہو جاتا؛ کیا حضرت امیر المومنین علیہ السلام جنہوں نے درخیبر اُکھاڑا اور بڑے بڑے پہلوانان وشجاعان عرب کو قتل کیا وہ خلفا کے قتل پر قادر نہ تھے ضرور قادر تھے لیکن قتل انکا چونکہ خلاف مصلحت اور اضمحلال وضعف اسلام کا سبب تھا اسوجہ سے حضرت نے صبر کیا اور انکی ظاہری بعیت کی؛ اب ایک اشکال اور باقی رہا اور وہ یہ کہ تحریف فی القرآن کی خود قرآن نفی کرتا ہے قال اللہ تعٰ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ اور آیہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اس کا جواب یہ ہے کہ جب اخبار مستفیضہ بلکہ متواترہ سے مع مؤید عقلی کے نقص قرآن ثابت ہے تو یقیناً ظاہر ہر دو آیہ مُراد نہیں بلکہ مُراد آیۂ اولے سے یہ ہے کہ لا یاتیہ الباطل من قبل التورٰۃ والانجیل والزبور ولا یاتیہ من بعد کتاب یبطلہ اور آیۂ ثانیہ اس امر پر دال نہیں کہ وہ قرآن کو جو فعلاً ہمارے پاس موجود ہے اس میں بھی تغیر نہیں بلکہ اس آیہ کا مصداق وہ قرآن ہے کہ جو فعلاً حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ کے پاس موجود ہے ؛